طوطیٔ ہند حضرت امیر خسروؒ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر

از

(جناب مولانا محمد اشرف حسین ایم۔ اے۔ محکمۂ آثار قدیمہ ہند دہلی)

ساتویں صدی ہجری میں جب کہ چنگیز خانی دار وگیر نے دنیائے اسلام میں تہلکہ مچا رکھا تھا ترکوں کے قبیلۂ لاچین کے ایک سردار امیر سیف الدین محمود اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر ہندوستان آئے اور قصبہ مومن آباد میں، جو اب پٹیالی (ضلع ایٹہ) کے نام سے مشہور ہے، سکونت پذیر ہوئے۔ اس زمانے میں دہلی کے تخت پر سلطان شمس الدین التمش متمکن تھا۔ اس جوہر شناس بادشاہ نے امیر سیف الدین محمود کی قابلیت اور اوصاف حمیدہ کی قدر دانی کی اور ان کو اپنے امرا میں شامل کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد امیر کی شادی فاضل اجل نواب عماد الملک کی دختر نیک اختر سے ہو گئی جن کے بطن سے تین بیٹے اعز الدین علی شاہ، حسام الدین احمد، اور ابو الحسن پیدا ہوئے۔ آخر الذکر ابو الحسن ہی وہ خسرو اقلیم سخن ہیں جن کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر اس آرٹیکل میں ڈالی جا رہی ہے۔

پٹیالی میں آپ ۶۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ پیدائش میں مورخوں کو اختلاف ہے لیکن خود امیر خسرو کا بیان قران السعدین میں، جو ۶۸۸ھ میں لکھی گئی تھی، فیصلہ کن ہے، اُس کے حساب سے ۶۸۸ھ میں ان کی عمر ۳۶ سال تھی۔ وہ لکھتے ہیں ؎

انچہ بتاریخ ز ہجرت گذشت   بود سن ششصد و ہشتاد و ہشت

سال من امروز اگر بررسی   راست بگویم ہمہ شش بود و سی

جب امیر خسرو نے ہوش سنبھالا تو ان کو سعد الدین خطاط کے پاس خوشنویسی سیکھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ چونکہ فطرتاً شاعری سے لگاؤ تھا اس لئے اس چھوٹی سی عمر ہی میں وہ اپنے موزوں

ناموزوں کلام کی اصلیوں پر مشق کیا کرتے تھے ابھی ان کی عمر آٹھ نو سال ہی کی تھی کہ ان کے والد ماجد امیر سیف الدین محمود شہید ہو گئے اور ان کی تعلیم و تربیت ان کے صاحب فضل و کمال نانا نواب عماد الملک نے جن کی عمر اُس وقت تقریباً ایک سو تیرہ سال کی تھی اپنے ہاتھ میں لے لی۔

امیر خسرو بہت ذہین تھے چنانچہ ۱۶ سال کی عمر میں انھوں نے جملہ علوم عقلی و نقلی کی جو اُس عہد میں مُروّج تھے تکمیل کرلی اور متبحر فضلائے روزگار میں شمار ہونے لگے۔ شاعری میں سب سے پہلے آپ نے اپنے بڑے بھائی اعزالدین علی شاہ سے اصلاح لی اور ان کے بعد یگانۂ روزگار خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی اختیار کی جنہوں نے آپ کی مشہور تصنیف خمسہ یا پنج گنج کی اصلاح فرمائی۔ دیباچہ دیوان غرۃ الکمال میں حضرت امیر خسرو نے اپنے نانا نواب عماد الملک کے ظاہری و باطنی کمالات کا ذکر کیا ہے اور خمسہ یا پنج گنج کے آخری گنج یعنی ہشت بہشت میں خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی کا بھی اعتراف کیا ہے جو سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے عہد میں سب سے بڑے عالم اور صاحب کمال شاعر تھے۔

کمالاتِ ظاہری سے مزیّن ہو چکنے کے بعد امیر خسرو کو کمالاتِ باطنی کے حصول کا شوق دامن گیر ہوا اور آپ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی سید نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ مریدانِ جاں نثار میں داخل ہو گئے۔ آپ کی بیعت کی تاریخ کے متعلق بھی مورخین میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ ۶۸۵ھ میں سلطان معزالدین کیقباد کے عہد میں امیر سیف الدین محمود مع اپنے تینوں بیٹوں کے حضرت کے مرید ہوئے اور اُس وقت امیر خسرو کی عمر آٹھ سال تھی۔ لیکن تاریخی تحقیقات کی کسوٹی پر یہ بات کھری نہیں اُترتی ۶۸۵ھ میں امیر خسروؒ کی عمر (جیسا کہ خود حضرت امیر کے بیان کے بموجب اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے) ۳۳ سال نکلتی ہے۔

مشہور کتب سیر و تواریخ مثلاً سیر الاولیاء، سبع سنابل، خزانہ عامرہ، جواہر فریدی، سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، مونس الارواح، طبقات الشعراء، نفحات الانس وغیرہ کے

مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امیر خسروؒ کی طبیعت میں عشق و محبّت کا مادہ بھی ازلی تھا۔ عشق کی بجلی رگ رگ میں کوندتی پھرتی تھی۔ بالآخر سنہ ۷۱۳ھ میں جب انھوں نے بیعتِ ثانیہ کی تو رنگ ہی بالکل بدل گیا۔ صاحب طبقات الشعراء لکھتے ہیں کہ بیعت ثانیہ کے بعد امیر خسروؒ نے جو کچھ نقد و اسباب تھا سب اللہ کے راستے میں دے دیا اور اس قدر ریاضاتِ شاقہ فرمائیں کہ سب مریدوں سے زیادہ حضرت محبوب الٰہی کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو گئی۔ امیر خسروؒ کی ارادت و عقیدت اپنے مرشد کے ساتھ عشق کے درجے تک پہنچ گئی تھی اور گویا اُن کا جمال دیکھ کر وہ جیتے تھے۔ یہی سبب ہے امیر خسروؒ کا کلام ان کی والہانہ محبت کے جذبات سے بھرا پڑا ہے۔ تاریخ فرشتہ، سبع سنابل، سیر الاولیاء وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے اکثر فرمایا ہے "امیر خسروؒ میرے بعد زندہ نہ رہے گا۔ جب رحلت کرے میرے پہلو میں دفن کرنا کیوں کہ وہ میرا صاحبِ اسرار ہے اور میں بغیر اس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔ اگر دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا شریعت میں جائز ہوتا تو میں وصیت کرتا کہ اسے میری قبر میں دفن کریں تاکہ ہم دونوں قبر میں بھی یک جا رہتے"۔

شعر العجم اور متعدد مستند کتب سیر میں ایک واقعہ کسی قدر تبدیلی کے ساتھ درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے لبِ دریا ہندوؤں کی عبادت اور اشنان کا منظر دیکھا حضرت امیر خسروؒ اور شیخ برہان الدین غریب بھی موجود تھے۔ محبوب الٰہی نے فرمایا "دیکھتے ہو ع ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے"۔ (یعنی ہر قوم کا ایک مخصوص راستہ ہے، ایک مخصوص دین ہے، اور ایک مخصوص قبلہ ہے) اس وقت حضرت محبوب الٰہی کی ٹوپی غیر ارادی طور پر کچھ ٹیڑھی تھی چنانچہ امیر خسروؒ نے برجستہ کہا ع "ما قبلہ راست کردیم برطرفِ کج کلاہے"۔ (یعنی ہم نے اپنا قبلہ ایک ٹیڑھی ٹوپی والے کی طرف مخصوص کر لیا ہے)۔ تزکِ جہانگیری و نگارستانِ سخن میں مذکور ہے، کہ دربارِ جہانگیری میں یہی شعر (یعنی ~ ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے + ما قبلہ راست کردیم برطرفِ کج کلاہے) ایک صاحبِ حال بزرگ کی رگِ جان کے لئے نشتر ثابت ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ سیدی شاہ قوال گا رہا تھا کہ مولانا علی احمد نشانیؒ خلف مولٰنا حسین نقشی پر کیفیت

طاری ہوئی انھوں نے سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں مسجودِ حقیقی کی خدمت میں ہمیشہ کے لئے جا پہنچے۔
آہ کیوں اثر نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

جناب امیر خسرو کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی کو بھی یہ تعلق تھا کہ فرمایا کرتے تھے "جب قیامت میں سوال ہوگا کہ نظام الدین دنیا سے کیا لایا ہے تو خسرو کو پیش کر دوں گا۔" (تاریخ فرشتہ) ونفحات الانس میں مذکور ہے کہ حضرت محبوب الٰہی جب دعا مانگتے تھے تو امیر خسرو کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے "الٰہی بہ سوز سینۂ ایں ترک مرا بخش" (یعنی اے اللہ اس ترک کے دل کی آگ کے تصدق میں مجھے بخش دے) شاہزادی جہاں آرا بیگم بنت شہنشاہ شاہجہاں نے اپنی کتاب مونس الارواح میں لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے "میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں حتیٰ کہ اپنے سے خود تنگ ہو جاتا ہوں لیکن اے ترک (امیر خسرو) تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔" صاحب خفینۃ الاولیاء کے حوالے سے خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہے کہ حضرت امیر خسرو کے سوزِ عشق کا یہ عالم تھا کہ جو نیا کپڑا بھی آپ پہنتے تھے وہ دل کے اوپر ہمیشہ جل کر داغ دار ہو جاتا تھا۔ اپنے پیر کے ایسے عاشق تھے کہ ان کے مقابلے میں جان و مال و اولاد سب بے حقیقت تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں اور متعدد کتب سیر سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایک سائل آیا۔ حضرت نے فرمایا "اس وقت تو اللہ کا نام ہے۔ ٹھہر جاؤ کل جو کچھ میرے پاس آئے لے لینا۔" اتفاق سے کچھ بھی نہ آیا اور چند روز یوں ہی گذر گئے۔ بالآخر حضرت محبوب الٰہی نے اُس سائل کو اپنی کفشِ مبارک دے کر رخصت کر دیا۔ حضرت امیر خسرو جو بادشاہ کے ساتھ دہلی سے باہر گئے ہوئے تھے اور واپس دہلی آرہے تھے اتفاق سے اس سائل سے ملے۔ اُس نے حضرت محبوب الٰہی سے ملاقات کا اور کفشِ مبارک عطا فرمانے کا ذکر کیا۔ امیر خسرو نے فرمایا "میاں اسے بیچو گے؟" اس نے کہا "جی ہاں"۔ چنانچہ سلطان محمد نے جو پانچ لاکھ تنکہ (روپیہ) امیر خسرو کو ایک قصیدہ کے صلہ میں دیا تھا وہ کل رقم حضرت امیر نے اُس سائل کو دے دی اور اپنے مرشد کی کفشِ مبارک

کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ جب حضرت محبوب الٰہی کے دربار میں آئے تو سرکار نے ایک خاص انداز سے مسکرا کر فرمایا "خسرو ازاں خریدی" عرض کیا کہ سرکار وہ سائل اسی پر رضامند ہو گیا ورنہ اگر وہ میری جان و مال اور سب کچھ اس کے عوض میں طلب کرتا تو وہ بھی بلا لیس و پیش حاضر کر دیتا۔"

۷۲۴ھ میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ امیر خسرو لکھنوتی گئے اور وہاں سے واپس نہ ہوتے تھے کہ سلطان محمد تغلق کے عہد میں ۱۷ یا ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو حضرت محبوب الٰہی نے وصال فرمایا۔ سیر الاولیاء، سفینۃ الاولیاء، مونس الارواح، تذکرۃ الواصلین، جواہر فریدی و تاریخ فرشتہ شاہد ہیں کہ یہ خبر سنتے ہی زار و قطار روتے ہوئے امیر خسرو دہلی روانہ ہو گئے۔ تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ حضرت امیر خسرو راستے میں رو رو کر اپنی ایک ہندی تصنیف پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک بند جو ان کے دردِ دل کا آئینہ دار بھی ہے ان کی ہندی شاعری کے نمونے کی طور پر پیش کیا جاتا ہے:-

جو میں جانتی بچھڑت ہیں سیّاں   تو میں گھونگھٹا میں آگ لگائے دیتی
موری چوڑیوں کی لاج سجن رکھنا   یہ تو پہن لئیں اب اُترت نائیں
مورا راج سہاگ تمھئیں سے ہے   میں تو تم ہی پہ جوبنا لٹائے بیٹھی

المختصر اپنی خوبصورت زلفیں کٹوا کر مرشد کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوئے اور نہایت رقّت سے عرض کیا "سبحان اللہ آفتاب زیرِ زمیں پنہاں ہو جائے اور خسرو بر روئے زمیں زندہ رہے۔" یہ کہہ کر سر کے بل مزارِ مبارک پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اپنا کل مال و اسباب، نقد و جنس، فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیا اور اُس کا ثواب مرشدِ برحق کی روحِ پاک کو پہنچایا، ماتمی لباس پہن کر اور دنیا کو تج کر مزارِ اقدس پر آ بیٹھے۔ مشہور ہے کہ اس کے بعد آپ کو کبھی ہنسی نہیں آئی اور اسی غم میں چھ ماہ بعد بدھ کے روز ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور اپنے مرشد کے پائنتی دفن ہوتے۔ تاریخ فرشتہ میں آپ کی وفات جمعرات کے دن بتائی گئی ہے اور صاحب مخبر الواصلین شب جمعہ کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن بیشتر معتبر تاریخی

شہادتیں بُدھ کے دن کی ملتی ہیں ۔

کہا جاتا ہے کہ امیر خسرو کے شاعری کے اولین دور میں ان کے کلام میں ساز تھا، سوز نہ تھا۔ اور اپنے کلام میں شیرینی و تاثر نہ ہونے کی وجہ سے خود ملول رہتے تھے۔ صاحب خزانۂ عامرہ رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ امیر خسرو نے اپنی ایک نظم جو حضرت محبوب الٰہی کی شان میں لکھی تھی ان کو سنائی۔ حضرت نے پوچھا "خسرو کیا صلہ چاہتا ہے" عرض کیا "اپنے کلام میں شیرینی" ارشاد ہوا کہ اندر چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی ہے اس کو اپنے سر پر سے نثار کر اور تھوڑی سی اس میں سے کھالے۔ اس طرح وہ شیرینی کلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ صاحب سیر الاولیاء فرماتے ہیں کہ اواخر عمر میں حضرت امیر خسرو پچھتاتے تھے کہ کاش اس سے بہتر کچھ مانگتا۔

نفحات الانس میں مولانا جامی ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت محبوب الٰہی کے ارشاد کے مطابق امیر خسرو حضرت خواجہ خضرؑ کی ملاقات سے سرفراز ہوئے اور اپنے کلام میں شیرینی پیدا کرنے کے لئے اُن سے اُن کا لعابِ دہن طلب کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ دولت شیخ سعدی کی قسمت کی تھی، امیر خسرو نے یہ واقعہ شکستہ دلی سے حضرت محبوب الٰہی کو سنایا۔ حضرت نے اپنا لعابِ دہن امیر خسرو کی زبان پر لگا دیا اور اس کی برکت سے ان کا کلام بے حد شیریں و مؤثر ہو گیا۔ خسرو نامہ کے دیباچہ میں سید جلال تبریزی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد امیر خسرو نے سب سے پہلے دو غزلیں لکھیں جن کی سلاست و روانی اور اندازِ بیان حقیقتاً بے حد شیریں و دلکش ہیں۔ ان کے چند اشعار نمونۃً ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں:

بخوبی ہمچو مہ تابندہ باشی — بملک دلبری پایندہ باشی!
من درویش را کشتی بغمزہ — کرم کردی الٰہی زندہ باشی!
ز قیدِ دو جہاں آزاد باشم — اگر تو ہم نشینِ بندہ باشی
بمستی و برندی ہمچو خسرو — ہزاراں خانماں برکندہ باشی

(باقی آئندہ)